فیروز شاہ تغلق کی دینی اور سماجی خدمات

ڈاکٹر ظفر الاسلام

سلاطین دہلی میں فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ – ۱۳۸۸ء) اپنے مذہبی رجحان، علمی ذوق اور عوامی فلاح و بہبود کے جذبہ کے لیے عام طور پر مشہور رہے۔ فیروز شاہ نے نہ صرف ذاتی زندگی میں احکام شریعت کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا بلکہ حکومت کے نظم و نسق کو بھی انھیں کے مطابق چلانے کی کوشش کی[1]۔ اس سے آگے بڑھ کر سلطان نے عوام کی معاشرتی زندگی کی اصلاح اور اخلاقی قدروں کے فروغ کے لیے جد و جہد کی، اس ضمن میں سلطان کے اقدامات کے خاص خاص پہلو اسلام کی معاشرتی تعلیمات کی نشر و اشاعت، گمراہ کن فرقوں کے خلاف تادیبی کارروائی اور مخرب اخلاق رسم و رواج پر پابندی تھی۔ مزید براں سلطان نے عوام کی سماجی زندگی کے سدھار کی خاطر ان کی اقتصادی حالت بہتر بنانے پر بھی توجہ دی اور بہت سے رفاہی امور انجام دئے جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

فیروز شاہ نے اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لیے جو کوششیں اور اہتمام کیا اس کے ذیل میں یہ بتا دینا کافی ہے کہ اس نے کثیر تعداد میں مدارس قائم کیے اور ان کے اخراجات کے لیے سلطنت کے خزانہ سے خطیر رقمیں صرف کیں[2]۔ یہ مدارس نہ صرف دینی تعلیم و تربیت کے اہم مراکز تھے بلکہ اسلامی آداب زندگی اور معاشرتی اصول کی تبلیغ کا ذریعہ بھی تھے جیسا کہ موجودہ دور میں بھی دینی ادارے یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سلطان نے مذہبی طبقہ کے لوگوں کی ہمت افزائی میں مثالی

---

[1] بالخصوص مالی نظام میں احکام اسلامی کے نفاذ کے لیے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون "عہد فیروز شاہی کا نظام محاصل شریعت کی روشنی میں"، مطبوعہ تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۲ شمارہ ۱ جنوری - مارچ ۱۹۸۳ء ص ۲۸-۴۲

[2] سیرت فیروز شاہی، قلمی نسخہ، مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) یونیورسٹی کلکشن فارسیہ اخبار ۱۱۱، ص ۱۲۶

فیاضی و فراخدلی سے کام لیا۔ ان میں سے بیشتر بقول معاصر مورخ ضیاء الدین برنی علوم دین کی اشاعت اور احکام شرعی کی تعلیم میں مصروف رہتے تھے[1] مزید براں اس عہد میں اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لیے تصنیفی و تالیفی کارناموں پر انعام و اکرام سے نوازا گیا، مذہبی علوم و فنون کے میدان میں جو سلطان کی دلچسپیوں کا خاص مرکز تھا تصنیفی و تالیفی سرگرمیاں اور تیز ہوئیں، انفرادی کاوشوں کے علاوہ خود سلطان و امراء نے اپنی زیر نگرانی مذہبی موضوعات پر کتابیں لکھوائیں۔ فتاوای فیروز شاہی کی تالیف سلطان کی ذاتی توجہ کا ثمرہ تھا، اس میں فقہ کے معروف مسائل کی تشریح و توضیح کے علاوہ سماجی تعلقات کے ضوابط اور اخلاقی اصول پر بھی اچھا خاصا مواد موجود ہے[2]۔ اسی دور میں شرف محمد العطائی نے فارسی میں ایک مبسوط کتاب تصنیف کی جو سلطان کے نام پر "فوائد فیروز شاہی"[3] کہلائی، اس کتاب میں خاص طور سے اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور اس کے معاشرتی اصول زیر بحث آئے ہیں، اس کتاب کے مقدمہ میں مولف نے واضح طور پر اس کی وجہ تالیف اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت بتایا ہے اور ساتھ ہی سلطان کی علم نوازی اور معارف پروری پر داد تحسین پیش کی ہے۔

سماجی اصلاحات کے ضمن میں سلطان فیروز شاہ کے اقدامات کا سب سے اہم پہلو گمراہ کن فرقوں اور تحریکوں پر ضرب کاری لگانا تھا۔ ایک صحت مند معاشرہ کی تعمیر کے لیے صالح افکار و نظریات کی پرورش اور مذہبی و سماجی زندگی میں بگاڑ پیدا کرنے والے خیالات کے سدباب پر خاص توجہ دی یہی وجہ ہے کہ سلطان نے اپنے زمانہ کے ان تمام فرقوں کے لیڈروں کے خلاف سخت قدم اٹھائے جو اباحتی زندگی کی دعوت اور ملحدانہ نظریات کی تبلیغ میں مصروف تھے اور اپنے کو اسلام کے نام لیواؤں میں شمار کرتے تھے۔ سلطان نے یہاں نرم دلی کے بجائے جس کے لیے وہ کافی مشہور ہے انتہائی سختی کا ثبوت دیا اور عملی اقدام سے پہلے علماء کی رائے معلوم کی۔ اس ضمن میں صوبائی حکام کے نام سلطان کی یہ ہدایت اُس کی پالیسی کی مکمل آئینہ دار ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں "طائفہ کہ پائے از دائرہ شریعت بیروں می نہند و در چیزے کہ خلاف مذہب است اقدام می نمایند

---

[1] ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۵۵۹

[2] اُس دور کے معاشرتی و اقتصادی مسائل کی روشنی میں فتاوای فیروز شاہی کے مطالعہ کے لیے دیکھئے خاکسار کا مضمون "فتاوای فیروز شاہی اور عصری مسائل" مطبوعہ برہان، دہلی جولائی و اگست ۱۹۶۲ء

[3] اس کا قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری، سبحان اللہ کلکشن (۲۹۷/۳ / ۲۷) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

بصلابت تمام وحسن اہتمام مانع وزاجر باشد"[۱]

(ایسے گروہ جو شریعت کے حدود سے تجاوز کریں اور غیر شرعی اعمال کے لیے اقدام کریں انھیں پوری سختی اور حسن اہتمام کے ساتھ اس سے منع کرنا اور باز رکھنا چاہیے)

حکومت کی جانب سے اس سختی کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس وقت متعدد ایسے فرقے نمودار ہوئے جن کے عقاید ونظریات عوام میں گمراہی اور اخلاقی بے راہ روی کو ہوا دے رہے تھے۔ ان میں سے بعض کے علمبرداروں نے الحاد واباحت کی دعوت دی اور بعض نے تصوف کو فلسفیانہ انداز میں پیش کر کے غیر اسلامی افکار کی تبلیغ کی اور کچھ نے برائی وبے حیائی سے بھرپور رسم ورواج کی جانب لوگوں کو مائل کرنے کی کوشش کی[۲] اس طرح کے فرقے فیروز شاہ کے پیشرو سلطان کے دور میں عقلیت پر بہت زیادہ زور دینے یا تصوف کو فلسفہ کے قالب میں ڈھالنے کی وجہ سے وجود میں آئے ہوں اور فیروز شاہ کی بظاہر نرم پالیسی کی وجہ سے انھیں سر اٹھانے کا موقع ملا ہو یا ان کے ظاہر ہونے کا کوئی اور سبب رہا ہو[۳] اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سلطان نے ان سے نپٹنے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق نے جن گمراہ کن فرقوں کے خلاف قدم اٹھایا ان ہی اباحیت پسندوں کا ایک فرقہ تھا۔ اس کی سرگرمیاں دہلی میں محدود تھیں یہ ایک ایسے طرز زندگی کا داعی تھا جس میں مذہبی حدود وقیود کا پاس ولحاظ تو درکنار اخلاقی وسماجی قدروں کی کوئی بندش بھی نہ تھی۔ فیروز شاہ کے مرتب کردہ

---

[۱] عین الدین ماہرو، انشاء ماہرو (تصحیح پروفیسر عبدالرشید)، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص۱۸

[۲] استاد گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "چودھویں صدی میں مسلمانوں کے معاشرہ پر ایک انحطاطی رنگ چھا گیا تھا، اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی، مذہب میں توہمات نے راہ پا لی تھی، قبر پرستی نے تصوف کی بنیادوں کو منہدم کر دیا تھا، اباحتی فرقے اپنے افکار ونظریات کے پھیلانے میں سرگرم تھے، بدعات واحداث کا ہر طرف ہنگامہ تھا" (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۸ء، ص۳۹۰)

[۳] پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں تصوف کی راہ سے جو خرابیاں آئیں اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ محمد بن تغلق کی تصوف مخالف پالیسیوں اور صوفیاء کرام سے تصادم کے رویہ کی وجہ سے پورا خانقاہی نظام ڈھیلا پڑ گیا، تصوف کے وہ افکار جو خواص تک محدود رہتے تھے عوام تک پہنچ گئے، وحدت الوجودی فلسفہ کی خوب خوب اشاعت ہوئی اور لازمی طور پر "انا الحق" کی صدائیں مختلف گوشوں سے بلند ہوئیں (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص۲۲۷، ۳۵۴-۳۵۵، ۳۸۸-۳۸۹، ۴۰۲)

رسالہ "فتوحات فیروز شاہی" کے بیان کے مطابق اس فرقہ کے لوگ جن میں عورت و مرد دونوں شامل ہوتے تھے رات میں ایک مخصوص مقام پر جمع ہوتے، کھانے پینے اور شراب نوشی میں مصروف رہتے اور مختلف قسم کی شنیع برائیوں میں ملوث ہوتے تھے اور لطف یہ کہ وہ اس عمل کو عبادت تصور کرتے تھے ان لوگوں کی بابت یہ مزید شہادت ملتی ہے کہ یہ لوگ جن کو اپنا ہمنوا بناتے انھیں ایک تصویر کے سامنے سجدہ کراتے تھے اور ان میں غیر شرعی و غیر اخلاقی اعمال کی ترغیب دیتے تھے[۱] امیر خسرو نے علاء الدین خلجی کے دور میں اس نوع کے گروہ کے نمودار ہونے کا ذکر کیا ہے اور انھیں "اصحاب اباحت" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس نے ان کی شرمناک حرکتوں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لوگ ازدواجی تعلقات قائم کرنے میں محرمات و غیر محرمات میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے[۲] علاء الدین خلجی کے دور میں ان کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا گیا تھا اور فیروز شاہ نے اس گروہ کے افراد کو ان کی سرگرمیوں کے مطابق مختلف سزائیں دیں ان کے لیڈروں کو قتل کرا دیا بعض کو قید میں ڈال دیا اور کچھ کو جلاوطن کر دیا اور اس طرح خود فیروز شاہ کی تصریح کے مطابق اباحتیوں کے اثرات ختم ہوئے اور انھیں پھر سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی[۳] اس کے علاوہ اباحتی طرز زندگی کا اور کوئی واقعہ سلطان کے علم میں آیا تو اس نے اس کے سدباب کی تدبیر کی، جب اسے ملتان کے بعض جاہل طبقوں کی بابت پتہ چلا کہ ان میں یہ رسم جاری ہے کہ وہ دوسرے کی منکوحہ کو طلاق دینے سے قبل اپنی بیوی کے طور پر رکھ لیتے ہیں تو اس مذموم عمل پر سخت نکیر ظاہر کرتے ہوئے یہ حکم جاری کیا کہ انھیں قرار واقعی سزا دینے میں تساہلی نہ برتی جائے بلکہ اسے اشد ضروری سمجھا جائے[۴]

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں مہدویت کے دعویداروں کے ظہور اور ان کے خیالات کی اشاعت کا ذکر ملتا ہے۔ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں بھی یہ فتنہ کئی دفعہ رونما ہوا سب سے پہلے فیروز شاہ کے دور میں رکن الدین نامی ایک شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، اس نے "مہدی آخرالزماں" کا لقب اختیار کیا اور اس بات کا مدعی ہوا کہ اسے علم لدنی حاصل ہے اور علم کسبی کی اسے کوئی حاجت نہیں، اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ وہ تمام مخلوقات کے ناموں سے واقف ہے جو

---

۱ فتوحات فیروز شاہی (تصحیح پروفیسر شیخ عبدالرشید) علی گڑھ، ۱۹۵۴ء، ص ۶-۷، سیرت فیروز شاہی ص ۱۲۶

۲ امیر خسرو، خزائن الفتوح، کلکتہ ۱۹۵۳ء ص ۲۱

۳ فتوحات، ص ۷، سیرت فیروز شاہی، ص ۱۲۶

۴ انشاء ماہرو، ص ۱۸۰

پیغمبروں میں صرف آدم علیہ السلام کے علم میں تھے، اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس پر علم حروف کے وہ اسرار و رموز منکشف ہوئے ہیں جن سے اور کوئی واقف نہیں ہے وہ نبوت کا بھی دعوے دار تھا اور لوگوں سے یہ مطالبہ کرتا تھا کہ وہ اسے پیغمبر تسلیم کریں۔ اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے رکن الدین نے ایک رسالہ بھی تحریر کیا تھا، معاصر علماء نے اس کے خیالات اور ان کے مسموم اثرات کی جانب سلطان کی توجہ مبذول کرائی، دربار میں طلبی پر جب اس نے مذکورہ اعتقادات و نظریات کا اعتراف کیا تو علماء نے اسے مباح الدم قرار دیا اور یہ رائے پیش کی کہ اگر اس فتنہ کو دبایا نہ گیا تو بہت سے مسلمان گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اسی خیال کی روشنی میں مسلمان نے رکن الدین اور اس کے ہمنواؤں کو سزائے موت دی اور اس طرح اس فتنہ کو دبا کر عوام کو گمراہی سے بچایا۔[۱]

فتنۂ اباحت و مہدویت کے مثل فتنۂ ارتداد بھی مسلم معاشرے کے لیے کچھ کم خطرناک نہ تھا عہد فیروز شاہی میں ہندوؤں کو اپنے مذہبی رسوم و رواج کی آزادی حاصل تھی اور ذمی کی حیثیت سے جو حقوق انھیں ملنے چاہئے تھے وہ ان سے بخوبی مستفید ہوتے تھے لیکن اگر کسی نے گمراہی پھیلانے کی کوشش کی یا مذہبی آزادی کا بیجا فائدہ اٹھا کر فتنۂ ارتداد کو ہوا دینا چاہا تو سلطان نے اسے سخت سے سخت سزا دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ محسوس کی فیروز شاہ کو مختلف ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ دہلی کے قدیم حصہ میں ایک برہمن (زناردار) نے الحاد و بے دینی کی تعلیم و تبلیغ کا ایک اڈہ قائم کر رکھا ہے اور لوگوں کو اکٹھا کر کے انھیں بت پرستی و شرک کی دعوت اور کافرانہ اعمال کی ترغیب دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے ایک مسلمان عورت کو مرتد بنا دیا ہے۔ سلطان نے علماء و مفتیوں کو جمع کر کے ان کی رائے معلوم کی کہ شریعت کی رو سے اس زناردار کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہئے۔ علماء نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کی جاں بخشی ہو سکتی ہے اور اگر وہ اس کا منکر ہوتا ہے تو وہ سزائے موت کا مستحق ہے۔ بار بار کی پیشکش کے باوجود جب اس نے ایمان لانے سے انکار کیا تو اسے فتوی کے مطابق ہلاک کر دیا۔[۲] لیکن اس کی وضاحت نہیں ملتی کہ مرتدہ کے ساتھ کیا رویہ اختیار

۱؎ فتوحات فیروز شاہی، ص ۷-۸۔ اس ماخذ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رکن الدین کے خاتمہ کے بعد لوگ اس کی لاش پر ٹوٹ پڑے اور اس کے مردہ جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کی لاش کے ساتھ یہ برتاؤ یقیناً اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اسلام میں لاش کی بے حرمتی اور اعضاء کی قطع و برید سخت ممنوع ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے الہدایہ جلد دوم، ص ۵۶۳

۲؎ عفیف تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۷۹-۳۸۲

کیا گیا۔ فقہ حنفی کی رو سے مرتدہ قتل نہ کی جائے گی بلکہ اسے قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لے[1] البتہ دوسرے فقہاء کی رائے میں اسے قتل کیا جائے گا[2]

صوفیاء و مشائخ سے تعلقات کے باوجود فیروز شاہ کا برتاؤ ان صوفیوں کے تئیں بہت سخت رہا ہے جن کے نظریات عوام الناس میں فکری کجروی اور ذہنی بے راہ روی پیدا کر رہے تھے سلطان نے ان صوفیاء کے خلاف اقدام میں بھی کسی نرمی سے کام نہیں لیا جو تصوف کی تعلیمات کو فلسفیانہ انداز میں پیش کر کے یا وحدت الوجودی فلسفہ کے علم بردار بن کر "انا الحق" کی صدائیں بلند کر رہے تھے اور لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر رہے تھے۔ گمراہ کن خیالات کی اشاعت اور غیر اسلامی افکار کی تبلیغ کے لیے فیروز شاہ نے جن لوگوں کو سخت سزائیں دیں۔ ان میں احمد بہاری اور شیخ عز کاکوی شامل تھے۔ فتوحات فیروز شاہی کی تصریح کے مطابق اول الذکر اصلاً بہار کے رہنے والے تھے اور بعد میں دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے اپنے گرد مریدین و معتقدین کا ایک گروہ جمع کر رکھا تھا جو اسے (نعوذ باللہ) خدا کہتے تھے، ان کے بعض مریدین برملا یہ کہتے پھرتے تھے کہ "دہلی میں خدا طلوع ہوا ہے" اور اس سے اپنے مرشد کو مراد لیتے تھے۔ مزید براں احمد بہاری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا بھی اتہام تھا۔ سلطان نے انھیں اور ان کے خاص مرید کو قید کرا دیا اور باقی معتقدین کو توبہ و انابت پر آمادہ کر کے مختلف مقامات پر منتشر کر دیا تاکہ ان کی قوت مجتمع نہ ہونے پائے[3]۔ گرچہ فتوحات سے احمد بہاری کا تصوف کے کسی سلسلہ سے منسلک نہ ہونا یا صوفیاء کے طبقہ سے متعلق ہونا ظاہر نہیں ہوتا لیکن پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مناقب الاصفیاء کے حوالہ سے صراحت کی ہے کہ یہ نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے ان کے اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے درمیان گہرا ربط تھا اور دونوں میں توحید کے اسرار و رموز پر گفتگو بھی ہوتی تھی[4]۔ انھیں کے ایک دوست شیخ عز کاکوی تھے یہ بھی وحدت الوجودی فکر کے داعی تھے اور ان کے افکار و خیالات بھی مسلمانوں کے عام مسلک سے ہٹے ہوئے تھے اور شطحیات سے بھرپور تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق علماء نے ان کے قتل

---

[1] الہدایہ، جلد دوم (کتاب المرتد) ص۵۷۷، ابو یوسف، کتاب الخراج، مطبعہ امیریہ، القاہرہ ۱۳۰۲ھ ص۱۱۱

[2] بدایۃ المجتہد ۲/۲۹۸ مکتبۃ الازہر مصر ۱۹۶۶ء

[3] فتوحات فیروز شاہی ص۷

[4] پروفیسر خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص۴۴۵، ۴۴۶

کا بھی فتویٰ صادر کیا تھا جسے سلطان کے حکم سے عملی جامہ پہنایا گیا[۱]۔ اسی دور میں گجرات میں بھی ایک شخص وحدت الوجودی فلسفہ کی بے اعتدالی کا شکار ہوا اور اس نے انا الحق کی صدائیں بلند کیں۔ یہ عہد فیروز شاہی کے ایک اہم افسر اور گورنر عین الملک ماہرو کا غلام تھا۔ اس نے گجرات میں اپنی صوفیت کا بازار گرم کر رکھا تھا اور معتقدین کی ایک جماعت تیار کر لی تھی وہ خود "انا الحق" کی آواز لگاتا تھا اور اس کے مریدین اس کی ہدایت کے مطابق "توئی توئی" کہہ کر اس کے دعویٰ پر مہر تصدیق ثبت کرتے تھے۔ سلطان نے اس فکری کجروی اور اس کے مسموم اثرات کے روک تھام کے لیے اس شخص کو بھی کیفر کردار تک پہنچایا[۲]۔ فیروز شاہ کے ان اقدامات کی روشنی میں بعض اسکالرس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ سلطان بنیادی طور پر تصوف کا مخالف تھا اور خاص طور سے وحدت الوجود کے نظریہ سے اسے سخت اختلاف تھا اور یہ کہ اس نے مذکورہ بالا لوگوں کو اس لیے قتل کرایا تاکہ وحدت الوجودی فکر کی روک تھام ہو سکے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطان کو تصوف یا وحدت الوجود کا مخالف قرار دینے کی جگہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ اسے ان غیر اسلامی افکار و نظریات سے نفرت تھی جو ان کے داعیوں یا نام نہاد صوفیوں کے ذریعہ اسلام ہی کے نام پر پھیل رہے تھے۔

تصوف کی اصطلاح میں "انا الحق" کا نعرہ بھلے ہی فنا فی اللہ کا مظہر رہا ہو یا وحدت الوجود کے فلسفہ کی جو بھی توجیہ تصوف کی دنیا میں کی جاتی رہی ہو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس انداز سے انا الحق کا نعرہ بلند کیا جا رہا تھا اور جس پیرایہ میں اس فکر کی دعوت دی جا رہی تھی اس سے عقاید و نظریات میں خرابی پیدا ہونا اور گمراہی کا فروغ پانا لازمی تھا، اس لیے اس کے سدباب کے لیے سخت سے سخت قدم اٹھانا ایک مسلمان حکمراں کے لیے ضروری تھا۔ یہ وقت کا اہم تقاضا تھا۔ جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ فیروز شاہ نے الحاد و اباحت اور فکری کجروی کے خلاف جو اقدامات کیے اسے بعض دفعہ تنگ نظری اور فکر و عمل پر بیجا پابندی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ اقدامات عوام بالخصوص مسلمانوں کی فکری و نظریاتی اصلاح کے لئے تھے۔ عقائد میں جو فساد اور نظریات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اس کے اثرات لوگوں کی ذاتی زندگی تک محدود نہیں رہتے بلکہ پورا معاشرہ اس سے متاثر ہوتا ہے اور اس سے ایک عام اخلاقی زوال اور معاشرتی انحطاط رونما ہوتا ہے اس لئے سلطان نے ان کے خلاف جو اقدام کیا وہ تنگ نظری یا بیجا پابندی نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس

۱؎ ایضاً، ص۱۶۴ ۲؎ فتوحات فیروز شاہی، ص۸

کے پیچھے عوام کی اصلاح کی فکر اور اس کا دینی رجحان کام کر رہا تھا۔

فیروز شاہ کے معاشرتی اصلاحات کا دوسرا اہم پہلو سماجی زندگی اور درباری ماحول کے ان رسوم و رواج کے خاتمہ کی کوشش تھا جو اسلامی روایات کے منافی اور اخلاقی تعلیمات کے خلاف تھے۔ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں تصوف کی راہ سے بہت سی غلط رسمیں اور بدعات و محدثات سماجی زندگی میں داخل ہوئیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں "چودھویں صدی کے نصف آخر میں تصوف نے ہندوستان میں نہایت ہی بدنما شکل اختیار کر لی تھی اور صدہا مخرب اخلاق رسمیں اور گمراہ کن بدعات عام ہو گئی تھیں"[1] اس طرح کی رسموں میں بزرگوں کی قبروں کا مزارات میں تبدیل ہو جانا، وہاں عرسوں کا اہتمام اور ان میں مردوں و عورتوں کا کثیر تعداد میں شریک ہونا بھی داخل تھا۔ اس دور میں اس رسم نے کافی شدت اختیار کر لی تھی اور اسی کے نتیجہ میں سب سے بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی تھی کہ جب عورتیں کثیر تعداد میں وہاں جاتیں تو بہت سے بدخصال اور اوباش قسم کے لوگ بھی محض سیر و تفریح کے مقصد سے ان کے پیچھے لگ جاتے تھے اور اس کی وجہ سے مزارات پر مختلف طرح کی مذموم حرکتیں اور اخلاقی برائیاں سرزد ہوتی تھیں۔ فیروز شاہ نے سماجی زندگی پر اس رسم بد کے اثرات محسوس کرتے ہوئے مزارات پر عورتوں کی حاضری ممنوع قرار دی اور حکم عدولی کرنے والوں کو سخت سزائیں بھی دیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان عورتیں باہر نکلنے اور زیارت کے لیے جانے سے باز آگئیں[2] یہاں یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ مغل دور کے ایک ہندو مورخ سُبحان رائے بھنڈاری کے بیان کے مطابق فیروز شاہ نے ہندو عورتوں کو مندروں میں جانے کی ممانعت کر دی تھی[3]۔ اغلب یہی ہے کہ اس ممانعت کے وقت بھی فیروز شاہ کے پیش نظر وہی خرابیاں رہی ہوں گی جو اس طرح کے مقامات پر مرد و زن کے اختلاط سے پیدا ہوتی ہیں۔

معاصر مورخین کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیروز شاہ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں رہن سہن، کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کے طور طریق میں بھی اصلاح کی جانب توجہ دی۔ گرچہ اس ضمن میں فیروز شاہ کے اقدامات زیادہ تر درباری و شاہی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ان سے کم از کم یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ سلطان اس نوع کے سدھار میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔

---

[1] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص۴۲۸ [2] فتوحات فیروز شاہی، ص۸-۹

[3] سبحان رائے بھنڈاری، خلاصۃ التواریخ، دہلی، ۱۹۱۸ء، ص۲۵

عہد سلطنت کے درباری ماحول پر ایرانی اثرات غالب تھے اور سلاطین و امراء کی روزمرہ زندگی میں ساسانی بادشاہوں کی بہت سی ایسی روایات زندہ و تابندہ تھیں جن کا اسلامی طرز زندگی سے کوئی تعلق نہیں تھا اور جو محض عیش و عشرت کی نشانیاں تھیں۔ فیروز شاہ نے ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ مثال کے طور پر سلاطین و امراء کے یہاں کھانے پینے میں سونے چاندی کے برتن کا استعمال عام تھا[1]۔ فیروز شاہ نے ان برتنوں کے استعمال پر عام پابندی کا اعلان کیا اور خود بھی صرف انھیں برتنوں کے استعمال پر اکتفا کیا جن کی شریعت میں اجازت تھی اور جن میں سادگی کا پہلو نمایاں تھا[2]۔ اسی طرح اس دور میں تلوار کی بیٹیوں، ہتھیاروں کے خول اور ترکش پر سونے کے کام بنوانے کا رواج تھا، سلطان نے اس کی بھی ممانعت کی اور اپنے ہتھیاروں کا خول شکاری جانوروں کی ہڈیوں سے تیار کرایا[3]۔ ملبوسات میں بھی شرعی حدود کی رعایت نہ کی جاتی تھی، شاہی لباس میں نہ صرف ریشم و زربفت کی آمیزش ہوتی تھی بلکہ بعض لباس مکمل طور پر ریشم و زربفت کے ہوتے تھے اور ان کی لمبائی شریعت کی متعینہ حد سے متجاوز ہوتی تھی سلطان نے اس قسم کے ملبوسات پر پابندی عائد کرتے ہوئے یہ فرمان جاری کیا کہ صرف ایسے لباس استعمال میں آنے چاہئیں جو شریعت کی رو سے جائز ہیں۔ اسی طرح جھنڈوں اور ٹوپیوں پر جو سونے کا کام ہوتا تھا اس کے بارے میں سلطان نے یہ حکم دیا کہ اس کی چوڑائی چار انگل سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے[4]۔

شاہی دربار اور سلاطین و امراء کی زندگی میں ایک اور غیر شرعی عمل مختلف باتصویر چیزوں کا استعمال تھا، معاصر ماخذ سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ خیمے کے دروازوں، پردوں، گھوڑے کی لگاموں اور کھانے پینے کے برتنوں کے علاوہ شاہی خلعتوں پر جاندار اشیاء کی تصویریں بنانے کا رواج تھا[5]۔ اس کے علاوہ سلاطین کے حرم خانوں میں دیواروں پر تصویریں منقش ہوتی تھیں تاکہ آرام کے وقت سلاطین کی نظریں ان سے محظوظ ہو سکیں، سلطان نے اس عمل پر بھی پابندی عائد کی۔ شاہی محلات کی دیواروں سے تصویروں کو صاف کرایا اور یہ حکم نافذ کیا کہ ان کے بجائے بیل بوٹے بنائے جائیں اور مناظر فطرت کی عکاسی کی جائے[6]۔ فیروز شاہ کی نگرانی میں مرتب کئے گئے

---

[1] ابن بطوطہ، رحلہ، القاہرہ ۱۹۵۸ء، الجزء الثانی، ص۱۰، ۳۵، ۳۹

[2] فتوحات فیروز شاہی، ص۱۱، عفیف، ص۳۷۴ [3] فتوحات، ص۱۱ [4] ایضاً

[5] برنی، ص۲۷۱ [6] فتوحات، ص۱۱، عفیف، ص۳۷۳ - ۳۷۴

فتاوای فیروز شاہی میں ایک استفتاء کے جواب میں اس مسئلہ کی یہ وضاحت ملتی ہے کہ ان چیزوں کا استعمال مکروہ ہے جن پر جاندار اشیاء کی تصویریں بنی ہوئی ہوں لیکن ان چیزوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے جن پر بیل بوٹے یا پھول پتیوں سے زیبائش کی گئی ہو۔[1]

فیروز شاہ تغلق نے معاشرتی اصلاح کی کوششوں کے ضمن میں عقاید و نظریات کی خرابیاں دور کرنے، مخرب اسلام رسوم ورواج کو ختم کرنے اور روزمرہ کی زندگی کے غیر شرعی اعمال کو ممنوع قرار دینے کے علاوہ سماج کے کمزور و نادار طبقوں کے حالات بہتر بنانے کی جانب توجہ دی اور اس کے لیے باقاعدہ کچھ انتظامی اقدامات کیے اور حکومت کے ذرائع آمدنی کو استعمال کیا۔ ان میں سب سے اہم بیکاری و بے روزگاری دور کرنے کی کوشش تھی جو مختلف اخلاقی خرابیوں کا باعث بنتی ہیں۔ معاصر مورخ عفیف کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیروز شاہ نے اس وقت کے محدود وسائل کی روشنی میں بیروزگاری کے انسداد کی تدبیر کی۔ سلطان کے حکم سے کوتوال نے محلہ داروں کی مدد سے شہر کے تمام لوگوں کے حالات کی تفتیش کی اور بیکار لوگوں کی ایک فہرست تیار کی اور انھیں دربار میں حاضر کیا۔ ان لوگوں کو ان کی صلاحیت و استعداد اور خاندانی حالات کے مطابق کام پر لگایا گیا۔[2] فیروز شاہ کے رفاہی کاموں میں نادار لڑکیوں کی شادی کا انتظام بھی شامل ہے، سلطان نے اس کے لئے "دیوان خیرات" کے نام سے ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور یہ عام اعلان کرایا کہ نادار لوگ جن کے یہاں شادی کے قابل لڑکیاں ہوں وہ اپنا نام اس محکمہ میں درج کرائیں اس محکمہ کے عہدہ داران (جن کی تقرری میں سلطان دیانتداری و ایمانداری کا خاص لحاظ رکھتا تھا) نام درج کرانے والوں کے حالات کی تحقیق کرتے تھے اور ہر شخص کو اس کی حالت اور ضرورت کی مناسبت سے مالی امداد فراہم کرتے تھے۔ عفیف اس اقدام کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سلطنت کے مختلف حصوں سے محتاجوں اور بیوہ عورتوں نے دہلی آکر اپنی لڑکیوں کے نام درج کرائے اور انھیں حکومت کے دستور کے تحت مالی مدد ملی۔[3] سماج کے ان مخصوص مسائل پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ فیروز شاہ کے زمانہ میں عام غرباء و مساکین اور مستحقین کی حالت بہتر بنانے کے لیے ایک شعبہ قائم کیا گیا تھا جو "دیوان استحقاق" کے نام سے معروف تھا۔ معاصر ماخذ کی تصریح کے

---

[1] فتاوای فیروز شاہی، مخطوطہ، مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) یونیورسٹی کلکشن، فارسیہ مذہب ۳۶۱ ورق ۲۲۰ ب [2] عفیف ص ۲۳۳-۳۲۵ [3] ایضاً، ص ۳۴۹ - ۳۵۱

مطابق یہ شعبہ سالانہ تقریباً ۳۶ لاکھ تنکے امداد کے طور پر تقسیم کرتا تھا۔[۱]

درحقیقت فیروز شاہ ایک اچھے سماج کی تعمیر کے لیے صرف غرباء و مساکین، نادار و محتاج اور یتیموں و بیواؤں کی حالت بہتر بنانے کو ہی ضروری نہیں تصور کرتا تھا بلکہ عام لوگوں کی بہبودی اور خوش حالی کو بھی اس کے لیے کافی اہم سمجھتا تھا۔ اور اسے حکمراں کی بنیادی ذمہ داریوں میں شمار کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان کے نظم حکومت میں یہ پہلو جا بجا نمایاں نظر آتا ہے۔ فیروز شاہ نے کسانوں (جو اس وقت بھی آبادی کا اکثر حصہ تھے) کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے جو مثالی خدمات انجام دیں ان کا اعتراف قدیم و جدید دونوں مورخین کے یہاں ملتا ہے۔ اس کا سب سے پہلا ثبوت یہ ہے کہ تخت نشینی کے فوراً بعد اس نے کسانوں پر سے کروڑوں ٹنکے کی معافی کا اعلان کیا جو محمد بن تغلق کے زمانہ سے تقاوی کی صورت میں ان کے ذمہ واجب الادا تھا۔ اس معافی کا اصل سبب کسانوں کے حالات کی روشنی میں یہ احساس تھا کہ اس قرض کی وصولی کی صورت میں وہ اور زبوں حالی کا شکار ہو جائیں گے۔[۲] کسانوں ہی کی بھلائی کے مقصد سے فیروز شاہ نے متعدد نہریں کھدوائیں[۳] شریعت کی روشنی میں محاصل کی بے ضابطگیوں کو دور کیا اور اس نکتہ پر خاص زور دیا کہ محصول کی تشخیص و تحصیل میں اصل پیداوار اور کسانوں کی مالی حالت کا ضرور خیال رکھا جائے۔[۴] اور سب سے اہم یہ کہ سلطان نے اسلامی قانون کی روشنی میں بہت سے ٹیکس معاف کر دیے جو کسانوں کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی بارِ گراں تھے۔[۵] مختصر یہ کہ سلطان کا جذبۂ خیر خواہی یا تصور فلاح صرف کسانوں تک محدود نہیں تھا بلکہ معاشرہ کے مختلف طبقہ کے افراد کو خواہ وہ تاجر ہوں یا دستکار عالم ہوں یا فنکار، مسلم ہوں یا غیر مسلم محیط تھا جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے، لیکن اتنا اشارہ ضروری ہے کہ سلطان نے ہر طبقے کے لوگوں کے اصلاح حال کی کوشش کی۔

اوپر کی تفصیلات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ سلطان فیروز شاہ سماج و معاشرت کی اصلاح اور عوام کی دینی و اخلاقی تربیت میں دلچسپی رکھتا تھا اگرچہ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ سلطان نے جن سماجی برائیوں کے خاتمہ کے لیے اقدام کیا بس وہی اس وقت کے سماج میں موجود تھیں

---

[۱] ایضاً، ص۳۵۹ - ۳۶۰ [۲] عفیف، ص۹۲

[۳] برنی، ص۵۶۷ . عفیف، ص۱۲۷ - ۱۲۹ . یحییٰ بن احمد سرہندی . تاریخ مبارک شاہی، کلکتہ ۱۹۳۱ء، ص۱۲۵ - ۱۲۶

[۴] برنی، ص۵۷۴، عفیف، ص۹۴ [۵] فتوحات، ص۵، عفیف، ص۲۷۸ - ۲۷۹

یا یہ کہ سلطان کے اقدامات کے نتیجہ میں یہ تمام برائیاں محو ہو گئیں اور معاشرہ بالکل صاف ستھرا ہو گیا لیکن یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ اقدامات اس کے ذہنی رجحان کی غمازی کرتے ہیں اور اس بات کی کھلی ہوئی شہادت پیش کرتے ہیں کہ سلطان نے اسلامی تعلیمات و شرعی قوانین کی روشنی میں ذہنی و فکری اصلاح اور معاشرتی سدھار کی سنجیدہ کوشش کی۔ اس دور میں جبکہ سلاطین و ملوک کی دلچسپی کا خاص محور فتوحات کا حصول، سلطنت کا استحکام اور تخت کا تحفظ ہوا کرتا تھا فکر و عمل کی کجی دور کرنے اور اخلاقی و سماجی زندگی کے سنوارنے کے لیے فیروز شاہ کی ان کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے قلم کا ایک تازہ شاہکار

تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات

جس میں بڑے واضح اور متعین انداز سے انسانی تہذیب و تمدن پر اسلام کے عظیم ناقابل فراموش احسانات اور دور رس و دیرپا نقوش و اثرات سے پوری علمی و تاریخی دیانت، فکری و تحقیقی متانت اور ایمانی حکمت و فراست کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور ایک پھیلے ہوئے تاریخی موضوع کو دس نکات میں سمیٹ کر گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دنیا کو اسلام کے عظیم عطیات میں عظمت انسانی اور عورتوں کے حقوق کی بحالی، توحید کے عالمی اثرات، علم و عقل کی ہمت افزائی، عالمی اخوت و مساوات، دین و دنیا کی وحدت، اور ایک صالح عالمی تمدن پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے۔

- ایک تاریخی جائزہ جو عصری مشکلات و مسائل کا اسلامی حل ہے۔
- دنیا کے ایک بڑے مذہب (اسلام) کے عالمگیر اثرات کی نشاندہی جو مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لیے قابل غور و فکر ہے
- ملت اسلامیہ کے لیے لمحۂ فکریہ اور دنیا کی رہنمائی کے لیے سرگرم عمل ہونے کی مخلصانہ دعوت۔
- انسانیت کے حال و مستقبل اور اسلام سے تعلق رکھنے والے ہر مخلص اور جویائے حق انسان کے لیے ایک نایاب تحفہ!

اعلیٰ طباعت و کتابت، قیمت اعلیٰ ایڈیشن -/۱۵، عام ایڈیشن -/۱۰، عربی -/۱۶
انگریزی زیر طبع، صرف قیمت پیشگی بھیجنے والوں کو کتاب رجسٹرڈ بھیجی جائے گی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، پوسٹ بکس ۱۱۹، ندوۃ العلماء، لکھنو